صلاح الدین پرویز: یادوں کے چمن میں

27 اکتوبر 2011، جمعرات کی صبح حقانی القاسمی نے جب مجھے یہ خبر دی کہ صلاح بھائی رات ڈیڑھ بجے اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے تو میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی اور محسوس ہوا کہ ادب کا شہنشاہِ جذبات، عروضی اور دیگر تکنیکی پابندیوں کو توڑ کر ندی کی تیز دھارا کی مانند اپنا الگ راستہ بنانے والا منفرد اور شیریں لب و لہجے کا شاعر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ میرے تصور میں دسمبر 2002 (دو ہزار دو) کے پہلے ہفتہ کی ایک شام کا واقعہ یاد آنے لگا جب پہلی بار صلاح الدین پرویز کی تحریروں کے ذریعہ ان کی تخلیقی روح سے متعارف ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، تقریباً ساڑھے سات یا آٹھ بجے ہوں گے۔ سردی اپنے شباب پر تھی۔ میں رضائی کے اندر Relax موڈ میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر سائڈ ٹیبل پر رکھے ''استعارہ'' پر پڑی جسے میں اسی دن دہلی اردو اکیڈمی کے سکریٹری ڈاکٹر منصور عثمانی سے مانگ کر لایا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگا۔ حسب معمول سب سے پہلے اس کا اداریہ پڑھا۔ اداریہ پڑھنے کے بعد میں نے ایک خط کو پڑھا جسے' آج کل' کے ایڈیٹر محبوب الرحمٰن فاروقی نے صلاح الدین پرویز کو لکھا تھا۔ اس خط کے جواب میں صلاح الدین پرویز کا ایک نہایت دلچسپ خط شائع ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ خط نہیں جذبات کا دریا ہے جس کی تند و تیز بہاؤ میں بس بہتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی خط میں صلاح الدین پرویز نے اپنی ایک پرانی نظم ''کنفیشن'' بھی درج کی تھی جو سچ مچ ان کی زندگی کا ایک اہم کنفیشن تھی جس نے بہت سے ادیبوں کی نیند اڑا دی ہو گی۔ سچ تو یہ ہے کہ صلاح الدین پرویز کا وہ خط اور ان کی نظم نے میری بھی نیند اڑا دی تھی اور ان کی شخصیت میرے حواس پر چھانے لگی تھی۔ ''استعارہ'' میں شامل ان کی دوسری نظموں، خطوط اور مضامین کے تئیں رفتہ رفتہ میری دلچسپی بڑھنے لگی اور ایک ایک کر کے ان کی تمام تحریریں ''چہار درویش کی کہانی''، ''نظم عین رشید''، ''یہ دکھ کے سارے راستے''، ''دھوپ کی آواز''، سنت اور شام''، ''مجروح'' ''مبارک اور ممبئی''، ''باب غزل کا دیباچہ لکھنے کی کوشش'' اور'' باب نظم کا دیباچہ لکھنے کی کوشش'' وغیرہ وغیرہ پڑھ چکا۔ ان کی تحریروں کو پڑھتے ہوئے چھ گھنٹے کیسے بیت گئے مجھے احساس ہی نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے الفاظ جذبات کی آگ میں پگھل کر دل کی دھڑکن اور سانسوں کے نشیب و فراز سے ہم آہنگ ہو کر ابھی ابھی استعارہ کے ان صفحات پر وارد ہوئے ہیں۔ مجھے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے پگھلے ہوئے الفاظ غنائی تنظیم و ترتیب میں ڈھل کر نغمہ و معنی کے محیط دائرے کی صورت میں مرتعش ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے الفاظ میں مجھے کبھی جھنکار سنائی دیتی تھی تو کبھی گمان ہوتا تھا کہ یہ الفاظ گنگنا رہے ہیں اور جمال و جلال ایک پیکر کی صورت میں کسی منزل کی طرف پیغام زندگی گاتے ہوئے گام زن ہو رہے ہیں۔ شاید ان کی تحریروں میں ان کی روح پورے آب و تاب کے ساتھ موجود تھی۔ رفتہ رفتہ میرا پورا وجود بھی ان کی تحریروں کے ساتھ گنگنانے اور رقص کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ان کی تحریروں میں جو جذبات کی شدّت تھی اس کی تپش سے میں خود کو پگھلتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مجھے گرمی محسوس ہوئی اور میں بیڈ روم سے باہر نکل کر ڈرائنگ روم میں ٹہلنے لگا۔ صلاح الدین پرویز کے الفاظ، جملے اور مصرعے میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ دیوار گھڑی کی طرف نظر گئی تو معلوم ہوا کہ رات کے ڈیڑھ بجے ہیں۔ اس وقت ساری دہلی یقیناً سو رہی ہو گی لیکن میں عجیب و غریب کیفیت سے دو چار ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں بیڈ روم میں گیا اور ''استعارہ'' کے ابتدائی صفحات میں صلاح الدین پرویز کا فون نمبر ڈھونڈھنے لگا لیکن فون نمبر ان صفحات میں کہیں درج نہیں تھا۔ ورنہ اسی وقت میں انہیں اپنے تاثرات سے آگاہ کرتا کہ صلاح الدین پرویز آپ اس عہد کے سب سے بڑے ادیب اور لفظوں کے جادوگر ہیں۔ آپ اس دور کے جینیس ہیں۔ آپ کا کوئی ثانی

نہیں ہے۔آپ کی نثر ونظم میں یکساں افکارومحسوسات کاایک حسین تاثر موجود ہے۔آپ کی تحریریں اردو، ہندی،انگریزی، فارسی اور عربی کی کلاسیکی،نو کلاسیکی،جدیداور ہم عصرادبیات نیزمشرقی تہذیب،فلسفہ،جمالیات اور مذہبیات کا نایاب خزانہ ہیں۔

اس طرح کی کیفیت زمانہ طالب علمی میں مجھ پراس وقت ہوتی تھی جب میں رات کی تنہائی میں علامہ اقبال کی نظمیں پڑھتا تھا۔خاص کرنظم ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' پڑھتے پڑھتے میں اٹھ کر بیٹھ جایا کرتا تھا میری آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے تھے۔لیکن ان دونوں کیفیتوں میں فرق تھا۔اقبال کی نظموں کو پڑھ کر جو کیفیت طاری ہوئی تھی اس کا تعلق عشق خدااور رسول سے تھا لیکن صلاح الدین پرویز کی نظموں اور تحریروں کو پڑھ کر جو کیفیت طاری ہوئی تھی اس کا تعلق نئی آواز میں غیبی معلومات کی بے شمار جہات سے تھا جنہیں میں اپنے اُوپر نزول ہوتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔

کئی دنوں تک صلاح الدین پرویز کی تحریروں کا اثر میرے دل ودماغ پر چھایا رہا اور میں اپنے دوستوں سے اس واقعہ کا ذکر کرتا رہا۔میرے دوستوں میں سے کسی نے صلاح الدین پرویز سے میرا غائبانہ تعارف کرایا اور یہ بھی بتایا کہ ان کی تحریر پڑھ کر مجھ پر کیا گذری ہے۔ایک دن شعیب رضا فاطمی صلاح الدین پرویز سے ملاقات کرانے کے لیے مجھے غفار منزل میں واقع ''استعارہ'' کے دفتر لے گئے۔دفتر میں چاروں طرف کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔بیشتر کتابوں کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ان کتابوں اور دفتر کے اندرونی حصّے سے سیلن (Dampness) کی بد بو آرہی تھی۔دفتر میں موجود دوسری چیزیں بھی بکھری پڑی تھیں۔وہاں چند حضرات بیٹھے ہوئے تھے جن کی شکل صورت اور حالتِ زار دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ یہ حضرات یقیناً اردو کے شاعروادیب ہوں گے۔انہیں لوگوں کے درمیان سفید لباس میں ملبوس گورے رنگ اور درمیانہ قد کا ایک شخص صوفہ سیٹ پر بیٹھا تھا ان کے سامنے میز پر پانی کی ایک بوتل اور کالے رنگ کا ایک چشمہ رکھا ہوا تھا۔دفتر میں جو بے ترتیبی اور انتشار نظر آرہا تھا وہی بے ترتیبی اور بکھراؤ اس شخص میں بھی تھا۔شعیب رضا فاطمی نے ان سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہی صلاح بھائی ہیں۔پھر میرا تعارف ان سے کراتے ہوئے کہا کہ یہ عقیل بھائی ہیں۔آپ کے بہت بڑے مداح۔صلاح الدین پرویز نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں گفتگو کی شروعات کی۔ان کا انداز گفتگو اور بدن کے لسان سے معلوم ہورہا تھا کہ ان کے اندر خوداعتمادی کی کمی ہے اور لااُبالی پن کا تھوڑا سا شائبہ بھی ہے۔بات چیت کے دوران جب میں نے انہیں بتایا کہ ان کی تحریروں کو پڑھ کر مجھ پر کیا گذری ہے تو فوراً ان کا Body language اور بات کرنے کا انداز بدل گیا اور انہوں نے کہا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے لکھ کر دیجئے۔میں نے پہلے ٹالنے کی کوشش کی لیکن ان کے اصرار پر اسی وقت لکھ کر انہیں دے دیا اور انہوں نے اسے استعارہ کے اگلے شمارہ میں بابِ ربط کے تحت شائع بھی کیا۔اس سے پہلے نہ میں ان سے کبھی ملا تھا اور نہ انہیں پہچانتا تھا البتہ دہلی کی ادبی حلقوں میں نئی نسل کے حوالے سے جب بھی جدید نثری نظم کی بات ہوتی تھی تو صلاح الدین پرویز کا ذکر ضرور ہوتا تھا لیکن میں نثری شاعری کو شاعری ہی نہیں سمجھتا تھا۔دوسری بات یہ کہ ان کے متعلق اکثر کہا جاتا تھا کہ صلاح الدین پرویز کے پاس بے انتہا دولت ہے جسے وہ دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں اور ہروقت وہ چمچوں اور چاپلوس بازوں سے گھرے رہتے ہیں۔اس لیے اصلاح الدین پرویز سے نہ کبھی میں نے ملنے کی کوشش کی اور نہ ضرورت سمجھی۔لیکن اس ملاقات کے بعد ان سے ملنے اور ان کی تخلیقات پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ایک ایک کرکے ان کی کئی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ان کی بیشتر نظموں اور ایک ناول ''دی وار جرنلس'' کا مطالعہ بطورِ خاص کیا۔میرے خیال میں موجودہ دور میں اختر الایمان کے بعد جن شاعروں نے نظم میں نت نئے تجربے کیئے ہیں ان میں صلاح الدین پرویز کا نام نمایاں طور پر لیا جائیگا۔صلاح الدین پرویز کی تخلیقات میں بین المتنیت کے علاوہ تہذیب وثقافت کی گہری بصیرت موجود ہے۔انہوں نے نظم میں ایک ساتھ کئی تجربے کرتے تھے اور یہ صرف بین المتنیت کے اقدار سے قریب ہونے کی وجہ سے تھا۔وہ نثری نظموں میں باوزن اشعار کی تضمین اتنی خوبصورتی سے کردیتے تھے کہ نظم جاگ اٹھتی تھی اس پر طرہ یہ کہ ان کی زبان لوک بھاشا کی خمیر سے تیار ہوئی تھی۔پوربیا، بھوجپوری، پنجابی، اور اردو کا خالص انداز ان کی نظم کی زبان کو پوری اردو شاعری سے الگ کردیتا ہے۔صلاح الدین پرویز نے نثری نظم کو واقعتاً ایک ایسی شاعری بنادی ہے جسے نثری نظم کا جواز کہا جاسکتا ہے۔مثالیں بہت ہیں میں صرف ان کی نظموں میں پائے جانے والے موسم کے احساس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔صلاح الدین پرویز نے کئی نثری وشعری قدیم اصناف کا احیاء کیا ہے اور اسکی ہیئت میں انوکھے تجربے کیے ہیں۔ان کے مشہور مجموعہ کلام ''آتما کے پتر پرماتما کے نام'' سے ماخوذ یہ بند ملاحظہ کریں:

جیسے ساون کی رم جھم کے پیچھے بھادو کے سانپوں کا ڈیرہ ہوتا ہے
جیسے کنوار کے سنّاٹے کے پیچھے کارتک کے چندا کا لہرا ہوتا ہے
جیسے اگہن کی سردی کے پیچھے پوس کا ڈسنے والا کہرہ ہوتا ہے
جیسے ماگھ کی مدماہٹ کے پیچھے پھاگن کی ہولی کا پھیرا ہوتا ہے
جیسے ہر دو آنکھوں کے پیچھے اک سپنا ہوتا ہے
ویسے ہی ہر موسم میں وہ تیرے موسم ہوں یا میرے موسم
اے نظم اے میری ازلی محبوبہ میں ہوتا ہوں

میری کتاب ''مغیث الدین فریدی اور قطعاتِ تاریخ'' کی اشاعت کی خبر جب صلاح الدین پرویز کو ملی تو انھوں نے کہا کہ یہ کتاب ان کی نگرانی میں استعارہ پبلی کیشن سے شائع ہوگی۔کتاب شائع ہوجانے کے بعد میں نے انہیں دس ہزار روپیہ کا ایک cheque دیا جسے انہوں نے لینے سے انکار کردیا لیکن میں اپنا نام ان لوگوں کی فہرست میں شامل کرانا نہیں چاہتا تھا جو لوگ جونک کی طرح ان کے سوکھے ہوئے جسم سے خون چوس رہے تھے۔لہٰذا انہیں چیک دینے کی میں نے پوری کوشش کی لیکن وہ بے حد جذباتی ہوکر رونے لگے اور کہنے لگے کہ کیا تم مجھے اپنا بڑا بھائی نہیں مانتے ہو۔میں انہیں روتے ہوئے دیکھ کر ڈر گیا اور فوراً ان سے معافی مانگتے ہوئے چیک واپس اپنی جیب میں رکھ لیا۔یہ وہ زمانہ تھا جب ان کا ہاتھ تنگ ہوگیا تھا پھر بھی اقربا پروری اور یار باشی کا سلسلہ جاری تھا۔پیسے کی تنگی سے استعارہ کی اشاعت کا مستقبل تاریک تھا پھر بھی استعارہ کا چندہ لینا انہیں گوارہ نہیں تھا۔اس زمانے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ سے وہ کھل کر بتاتے تھے کہ استعارہ کی اشاعت جاری رکھنے کے لیے اب ان کے پاس پیسے نہیں ہیں۔مجھے معلوم نہیں ہے کہ نارنگ صاحب نے استعارہ کو زندہ رکھنے کے لیے کچھ کیا یا نہیں لیکن اسی زمانے میں نارنگ صاحب نے انہیں دوحہ قطر ایوارڈ ضرور دلوایا تھا۔وہ اکثر اپنے دوستوں پر دل کھول کر پیسے خرچ کرتے تھے۔تمام لوگوں کو رات کا کھانا کھلا کر گھر بھیجتے تھے۔کئی بار مجھے بھی ان کے ساتھ شام کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ صلاح بھائی اکثر دل کھول کر بڑی پتے کی باتیں کرتے تھے۔وہ کہا کرتے تھے کہ میرے اردگرد جو کچھ تم دیکھتے ہو وہ سب مایا جال ہے۔میری بیوی میرے رشتہ دار اور دوست احباب بھی مایا ہیں۔حقیقت صرف میری پہلی بیوی ہے جو بنگلور میں رہتی ہے۔باقی سب دھوکا ہے۔میرے بیشتر احباب مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں اور میرے غائبانہ میں میری برائیاں بھی کرتے ہیں۔لیکن میں نظر انداز کردیتا ہوں کیوں کہ ان میں چند ایسے ہیں جو ضرورت منداور بے روزگار ہیں۔انہیں میں پالتا ہوں اور مجھے اس کام میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔صلاح بھائی کی باتیں سن کر مجھے منٹو کے ایک مشہور کردار بابو گوپی ناتھ کی یاد آتی تھی۔بابو گوپی ناتھ کی طرح صلاح بھائی کو بھی معلوم تھا کہ جب ان کے پیسے ختم ہوجائیں گے تو ان کے بھی دوست احباب اور رشتہ دار انہیں تنہا چھوڑ دیں گے اور ان سے آنکھیں چرانے لگیں گے۔پھر بھی انہوں نے ضرورت مندوں اپنے چمچوں کو کبھی نراش نہیں کیا۔رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی پوری دولت لٹادی۔ذاکر باغ کا فلیٹ بھی فروخت کردیا۔ان کا محبوب رسالہ ''استعارہ'' ان کے اظہارِ خیال کا واحد ذریعہ تھا،جس کی بدولت ان کے دل کی دھڑکن ان کے قاری محسوس کرتے تھے،جس کے ذریعہ ادب میں نئے تجربے،نئے تغیرات اور نئے خیالات سے ادبی دنیا آشنا ہوتی تھی،بند ہوگیا۔'استعارہ' کے بند ہوتے ہی ان کا رابطہ اپنے قاری اور چاہنے والوں سے ٹوٹ گیا۔موقع پرستوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔وہ بھی دہلی سے گریٹر نوئیڈا کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں منتقل ہوگئے اور گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔جدید ادب کا خالق جس نے اپنے علم کے شعاؤں سے پوری ادبی دنیا کو منور کیا ہوا تھا اب وقت اور حالات نے گمنامی کی تاریکی میں ڈھکیل دیا۔اسی تنہائی اور گمنامی نے انہیں مرضِ قلب میں مبتلا کردیا۔ایک سال پہلے وہ نوئیڈا سے علی گڑھ چلے گئے۔یہاں انہوں نے گمنامی کے اندھیرے سے نکلنے کے لیے اپنا نیا شعری مجموعہ'' بنام غالب'' شائع کرایا جس میں انہوں نے غالب کے مصرعے یا اشعار کے مفہوم کو Deconstruct کرکے نظمیں لکھی اور غالب کے ہی مصرعوں یا مصرعہ کے ایک حصّے کو ہر نظم کا عنوان بنایا۔عجیب وغریب بات ہے کہ اس کتاب کو انہوں نے اپنے چاہنے والوں اور اپنے قاری کو ابھی ابھی بھیجنا شروع کیا تھا۔بعض لوگوں کو یہ کتاب ان کی وفات سے پہلے مل گئی تھی لیکن زیادہ تر لوگوں کو ان کی موت کے بعد ملی۔وقت نے انہیں اپنے قاری کے تاثرات سن کر خوش ہونے اور گمنامی کی زندگی سے باہر آنے کا موقع نہیں دیا۔لیکن مجھے

امید ہے کہ ان سے محبت کرنے والے قاری یہ کتاب ضرور پڑھیں گے اور اظہار خیال بھی کریں گے لیکن افسوس کے صلاح بھائی نہیں ہوں گے۔صلاح بھائی نے کئی نادر کتابیں تخلیق کی ہیں۔ان کی ناولوں میں ''نمرتا''، ''آئیڈنٹیٹی کارڈ''، ''سارے دن کا تھکا ہوا پرُش''، ''ایک دن بیت گیا''، ''دی وارجرنلس''، ایک ہزار دوراتیں'' قابلِ ذکر ہیں،ان کے شعری مجموعوں میں ''سبھی رنگ کے ساون''، ''دستِ تحرات''، ''کنفیشن''، ''دھوپ سمندر سایہ''، ''پرماتما کے نام، آتما کے پتر'' اور ''کتاب عشق'' بے حد مشہور مقبول ہیں۔مجھے امید کہ ہندوستان و پاکستان کی یونیورسیٹیاں ان کتابوں پر تحقیق کرائیں گی۔

صلاح بھائی اپنے معاونین میں حقانی القاسمی جو''استعارہ'' کے نائب مدیر تھے کی تعریف کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ حقانی خوددار، ایماندار اور بےلوث محبت کرنے والا نیک انسان ہے۔تم ہمیشہ حقانی سے دوستی بنائے رکھنا اور اس سے ادبی مشورے لیتے رہنا۔وہ تمھیں صحیح مشورہ دے گا۔یاد رکھنا جو شخص ہمیشہ پوچھتا اور سیکھتا رہتا ہے وہ بتانے والے یا سکھانے والے سے آگے نکل جاتا ہے۔ہمیشہ پوچھتے رہنے کی تمہاری عادت مجھے بہت پسند ہے۔صلاح بھائی خود فریب کھاتے رہتے تھے لیکن مجھے ہمیشہ فریبیوں سے دوری بنائے رکھنے کی ہدایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اپنے فلاں فلاں دوستوں سے ذرا ہوشیار رہنا اور دوری بنائے رکھنا۔

صلاح بھائی دراصل شریعت کے نہیں طریقت کے آدمی تھے۔اس لیے عشقِ خدا اور رسولﷺ میں ہمہ وقت تڑپتے رہتے تھے اور اکثر زاروقطار روتے تھے۔کبھی کبھی مجھے لگتا تھا کہ شاید انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا تھا اور خدا کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے۔کبھی وہ رو رو کر حضور اکرمﷺ کی محبت میں تڑپتے تھے اور آپﷺ کی سیرت اور صورت کی تصویر کشی کرتے تھے کہ جیسے وہ حضور اکرمﷺ کے دورِ نبوت میں پہنچ کر آپﷺ کی صورت اور سیرت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر محفل میں موجود لوگوں کے سامنے اسے اسی طرح بیان کر رہے ہوں جیسے شیخ سعدیؒ نے حضور اکرمﷺ کی محفل میں آپﷺ کی شان میں اپنا مشہور قصیدہ:

بلغ العلٰی بکمالہ
کشف الدجٰی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلو اعلیہ و آلہ

سنایا تھا۔صلاح بھائی کا ایک مشہور شعری مجموعہ ''کتاب عشق'' اسی زمانے میں شائع ہوا تھا۔اس کتاب میں عشق حقیقی کے مختلف درجات کی وضاحت جس فلسفیانہ انداز سے کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاح بھائی نے مراقبے میں جا کر عشق کے مختلف مقامات سے گزرنے اور عشق حقیقی کے تجربے حاصل کرنے کے بعد یہ کتاب لکھی ہوگی۔صلاح بھائی اکثر حضرت علی کرم اللہؓ کے کارناموں کا ذکر کرتے تھے اور ان کی مشہور کتاب ''نہج البلاغہ'' پر عالمانہ گفتگو کرتے رہتے تھے۔وہ اہلِ بیت سے بے حد محبت کرتے تھے۔انہوں نے کئی نادر مرثیے بھی لکھے ہیں۔''حضرت زینب کی دو پینٹنگ'' کے عنوان سے انہوں دو مرثیے لکھے ہیں۔''دوسری پینٹنگ'' کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

سر پہ ہے آکاش مگر وہ نیلا نہیں ہے لال
پاؤں کے نیچے مٹی ہے پر بھوری نہیں ہے لال
آنگن میں اک بھیڑ بھی ہے پر اس کا اون بھی لال
وہیں کہیں مشکیزہ بھی ہے اس کا جگر بھی لال
چولھے سے جو دھواں اٹھا ہے وہ بھی بالکل لال

آگ تو لال تھی پہلے ہی سے اور بھی ہو گئی لال
ایک ردا زینب کے سر پر اب بھی تھی سرسبز
وہ بھی رنگ نہ غیر کو بھایا چھین کے کر دیا لال
ایک حسین کے لال ہونے سے
سب جگ ہوا لالا لال
زینب تیرے گھر رنگوں کا
کیسا ہو گیا حال
ایک ہی رنگ اسے من بھایا
اب ہو وہ پامال

انسان کے ظاہری اعمال اکثر دھوکا دیتے ہیں۔انسان کا اصل جوہر اس کے باطن میں ہوتا ہے۔خدا بھی باطنی خوبیوں کے دیکھتا ہے۔صلاح بھائی کی باطن پاک وصاف ہے۔اس لیے مجھے یقین ہے کہ خدا، اس کے رسول حضرت ﷺ اور اہلِ بیت کی محبت اور 'کتاب عشق' کے طفیل میں خدا ان کی تمام گناہوں کو معاف کر دیں گے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں گے۔آمین

Residence: 262-D, Shipra Sun City, Indirapuram, Ghaziabad-201014
Mobile No: 09911796525
Website:people.du.ac.in/~aahmad